باستان جستجو کرد ۔"

یہاں تک تو خیر کوئی مضائقہ نہ تھا اس لیے کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ جس مسئلے میں جو رائے رکھنا چاہے رکھے ۔ ہم زیادہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مقدمہ نگار نے ایرانی عصبیت کے جذبے سے شدتِ مغلوبیت اور اسلامی رجحانات سے کسی قدر بُعد کے باعث اس طرح کے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ افسوس تو ہمیں اس وقت ہوتا ہے جبکہ "تصوفِ ایرانی سابقہ سہ ہزار سالہ" کے ساتھ خواہ مخواہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا تصنیف "کشف المحجوب" کا رشتہ استوار کیا جاتا ہے۔

مقدمہ نگار اگر "ابو المغیث حسین بن منصور حلاج" کو "نمائندہ برجستہ تصوف ایران" قرار دیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں کیونکہ حلاج ان کے ہم مشرب تھے۔ لیکن کشف المحجوب کو "از متون معتبر صوفیہ دگل سرسبد آثار صوفیہ ایرانی" کہنا میرے خیال میں مناسب نہیں، اس لیے کہ کشف المحجوب تصوف ایرانی کی نمائندہ نہیں ہے۔ اسے بجا طور پر تصوفِ اسلامی کا نمائندہ کہا جا سکتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت ہجویریؒ کتاب کی ابتدا ہی میں یہ شکایت کیوں فرماتے کہ:

"خداوند عزوجل مارا اندر زمانہ پدیدار آوردہ است کہ اہل آں ہوا را شریعت نام کردہ اند... و ہذیان طبع را معرفت و حرکاتِ دل و حدیث نفس را محبت والحاد را فقر و جحود را صفوت و زندقہ را فنا و ترکِ شریعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را طریقت و آفت اہلِ زمانہ را معاملت نام کردہ اند تا ارباب معانی اندر بیان ایشاں محجوب گشتہ اند..."

"نمائندہ برجستہ تصوف ایران" (حلاج) کے بارے میں حضرت ہجویریؒ فرماتے ہیں:

"و در جملہ بدانکہ کلام وی اقتدا را نشاید از آنچہ مغلوب بودہ است اندر حال خود نہ متمکن و کلام متمکن باید تا بداں اقتدا تواں کرد بس عزیز است وی بر دل من بحمد اللہ اما بر ہیچ اصل طریقش مستقیم نیست و بر ہیچ محل حالش مقرر نہ و اندر احوالش فتنہ بسیار است [۵]"

۵؎ الہجویری: کشف المحجوب، ۱۹۲ طبع ۱۳۳۶ھ

حضرت ہجویری اپنے استاد حضرت ابوالعباس شقانی کے بارے میں ان الفاظ میں [illegible] ہیں :

"مرا باوی انسی عظیم بود و وی را بر من شفقتی صادق و اندر بعضی علوم استاد من بود و ہر گز من بدیدم از ہیچ صنف کسی ندیدم کہ شرع را بنزدیک وی تعظیم بیشتر از آں بود کہ بنزدیک وی"[۵۲]

طریقت میں حضرت ہجویریؒ کے پیشوا ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی تھے جن کے بارے میں حضرت ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ "اندر تصوف مذہب جنید داشت و مرید حصری بود"۔ لہٰذا الختلی کے واسطے سے حضرت ہجویریؒ کا مشربِ طریقت بھی "جنیدی" ہی تھا اور رسائل الجنید میں خواطر پر بحث کرتے ہوئے حضرت جنیدؒ بغدادی نے واضح ترین الفاظ میں ارشاد فرمادیا کہ :

ا۔۱ الخاطر الربانی فانہٗ لیستدل علیہ بشاہدین ایضاً احدہما وہو المقدم موافقۃ الشرع للخاطر وشہادتہٗ بصحتہ[۵۳]

خاطر ربانی کی پہچان کے لیے دو گواہوں کی ضرورت ہے۔ ان میں سے ایک جو سب سے مقدم گواہی ہے۔ یہ کہ وہ خاطر (خیال) شریعت کے مطابق ہو اور شریعت اس کی صحت کی گواہی دے۔

لہٰذا سلسلۂ جنیدیہ کو تو کسی حال میں مقدمہ نگار کے مزعومہ تصوف ایرانی سابقہ سے [illegible]" کے سلسلے کی کڑی نہیں مانا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب "نمائندہ برجستہ تصوف ایران" (حضرت [illegible]) نے حضرت جنید سے درخواست کی کہ مجھے اپنی صحبت میں رہنے کی اجازت دیں تو آپ نے ارشاد فرمایا :

"میں پاگل آدمی کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا" آپ نے مزید فرمایا، اے منصور کے بیٹے! میں تیرے اقوال میں غلطیاں اور حماقتیں دیکھ رہا ہوں[۵۴]

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے طریق کی رسم و راہ کا اعلان ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

---

۵۲ الہجویری : کشف المحجوب : ۱۹۲، طبع ۱۳۳۶ھ

۵۳ ابوالقاسم الجنید : رسائل الجنید : ۹۱، طبع لندن ۱۹۶۲ء

۵۴ علی حسن عبدالقادر : مقدمہ انگریزی رسائل الجنید : ۳۵، طبع لندن ۱۹۶۲ء [illegible] تذکرۃ الاولیا : ۳۲۴، طبع [illegible]

ایں راہ کسی یابد کہ کتاب بر دست راست گرفتہ باشد و سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بر دست چپ و در روشنائی ایں دو شمع می رود تا نہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت۔[۵۵]

یہ راہ تو وہی شخص پا سکتا ہے جس کے داہنے ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ تو شبہے کے گڑھے میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔

چونکہ حضرت ہجویری ہر اعتبار سے جنیدی مشرب کے پابند تھے اس لیے وہ بھی ارشاد فرماتے ہیں:

رکن اول از شریعت کتاب است لقولہ تعالیٰ منہ آیات محکمات دیگر سنت است۔ لقولہ تعالیٰ وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا وسیوم اجماع امت است لقولہ علیہ السلام لا یجتمع امتی علی الضلالۃ علیکم بالسواد الاعظم۔[۵۶]

پہلا رکن شریعت میں کتاب اللہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "قرآن مجید میں آیات محکمات ہیں کہ وہ اصل کتاب ہیں"۔ دوسرا رکن سنت ہے۔ جیسا کہ فرمایا: "جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دیں اسے اختیار کرو اور جس بات سے منع فرمادیں اس سے رک جاؤ" اور تیسرا رکن اجماعِ امت ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی (اس لیے) امت کے سواد اعظم کو اختیار کرو۔

لہٰذا میرے خیال میں ایک ایسے آدمی کے طریق کار شتہ جو "جنیدی المشرب" اور قرآن و سنت و اجماعِ امت کے عقائد و نظریات کا مبلغ و علم بردار ہو۔ اس تصوف ایران کے ساتھ جوڑنا جس کا بزرگ ترین نمائندہ بقول مقدمہ نگار "مانی" ہے کسی حال میں بھی درست نہیں ہے۔ فاضل مقدمہ نگار فرماتے ہیں:

"بزرگ ترین نمائندہ تصوف ایران پیش از اسلام مانی است کہ از حیث وسعت و عظمت فکر

---

[۵۵] فرید الدین عطار: تذکرۃ الاولیاء: ۳۲۱، طبع ۱۸۴۷ء

[۵۶] ہجویری، کشف المحجوب: ۱۶، طبع ۱۳۳۶ھ

وبفروغ معنوی و نفوذ روحانی در تاریخ تصوف عالم یک شخصیت عدیم النظیری می باشد[۴]

تصوف ایرانی قبل از اسلام کا سب سے بڑا نمائندہ مانی ہے جو اپنے فکر کی وسعت و عظمت معانی کی رفعت اور روحانی اثر و نفوذ کے اعتبار سے دنیائے تصوف کی تاریخ میں ایک بے مثال شخصیت کا مالک ہے۔

اور سابقہ حوالے میں گذر چکا ہے کہ "ریشہ ہائے عمیق تصوف ایران بعد از اسلام را در تاریخ تحولات فکری و فلسفی ایران در عہد باستان جستجو کرد" غالباً "عہد باستان" سے مقدمہ نگار کی مراد "عہد مانی" ہی ہے۔ شاید مقدمہ نگار نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ "اسلام اور مانی کی تعلیمات ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ مانی کی تمام تر تعلیمات کی بنیاد ثنویت پر ہے، اسلام کے سارے اصول توحید پر مبنی ہیں۔ مانی دنیا اور آخرت کی حیات کو دو الگ الگ خانوں میں بانٹتا ہے۔ اسلام میں دنیا کو مزرعۂ آخرت کہا گیا ہے۔ مانی کا "خدائے نور" جب اپنے بندے کو "خدائے تاریکی" (شیطان) سے جنگ کرنے کے لیے بھیجتا ہے تو اس کے بندوں کی فوج شکست کھا جاتی ہے ناچار آستین چڑھا کر اسے خود میدان کارزار میں اترنا پڑتا ہے[۵] اسلام کا خدا صرف خدائے نور ہی نہیں ہے خدائے ظلمت بھی ہے۔

وھو بکل شئ محیط

اور وہ ہر شے کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔

وہ فعال لما یرید، (اپنے ارادے کو پورا کرنے پر مکمل قدرت رکھتا ہے) ہے۔ اس کے برخلاف مانی کا خدا کمزور، مجبور، بندوں کی نافرمانی پر بے بسی کے ساتھ کڑھنے والا ہے۔

ھلذا قارئین کرام خود انصاف فرمائیں کہ ایک ایسے شخص کے افکار کو جس کے جسم کا ریشہ ریشہ موحد ہو، جس نے زندگی کے ہر ہر قدم پر سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کو اپنا مطمح نظر بنائے رکھا۔ جس کا چلنا پھرنا۔ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ملنا جلنا، طرز بود و ماند، انداز فکر، زاویۂ نگاہ،

---

[۴] محمد عباسی: مقدمہ کشف المحجوب: یازدہ

[۵] حوالہ کے لیے دیکھیے: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۴، ص ۸۰۲، طبع ۱۹۶۰ء

ظاہر و باطن، سب کچھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ مانی کے دیوالیہ، ژولیدہ اور اباحتی نظریات کے ساتھ جوڑنا کیسے مناسب ہو سکتا ہے، اس لیے مجھے ایک بار پھر نہایت واضح اور صریح انداز میں کہنے دیجیے کہ:

حضرت سید علی ہجویریؒ المعروف بہ گنج بخش صرف اور صرف تصوّف اسلام کے نمائندے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بے پایاں رحمتوں کی بارش نازل فرمائے۔ آمین)۔

اسلام اور عدل و احسان

از مولانا رئیس احمد جعفری

اسلام کے دشمنوں نے بھی باور کرایا اور ناواقف احوال مسلمانوں نے بھی سمجھا ہے، کہ اسلام تشدّد کا مذہب ہے، اسلام کا خدا جبار و قہار ہے۔ اسلام کے عبادات، معتقدات اور معمولات یکسر "درعسر" یعنی سختی پر مبنی ہیں۔ اس تاریخی غلط بیانی کی تردید تاریخی شواہد اور قرآن حدیث کی روشنی میں بڑے عمدہ پیرایہ میں کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام رحم، عدل، احسان اور محبت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کا خدا رحمان و رحیم بھی ہے، غفار و تواب بھی ہے۔ ان حقائق کا ایک مرتبہ مطالعہ کر لینے کے بعد وہ تمام غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں جو اسلام کے دشمنوں یا دوست نما دشمنوں نے اس کے بارے میں پھیلائی ہیں۔ کتاب میں کوئی دعویٰ بھی بغیر سند اور حوالے کے نہیں کیا گیا۔

دوسرا ایڈیشن زیرِ طبع

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

شیر محمد گریوال

علاؤالدین خلجی کا قیمتوں پر کنٹرول

قیمتوں پر کنٹرول اور اقتصادی منصوبہ بندی موجودہ دور کے اقتصادی نظام میں مسلسل استعمال ہونے والی اصطلاحات ہیں۔ ان کا کثرت سے استعمال عموماً کسی جنگ کے بعد ہونے لگتا ہے۔ جنگ چھوٹی ہو یا بڑی، بہرحال جنگ ہوتی ہے اور جنگ میں ملوث ملکوں کے اقتصادی نظام کا درہم برہم ہونا ناگزیر ہوتا ہے۔ زراعت، تجارت اور صنعت کو عموماً زبردست نقصان پہنچتا ہے، جس سے کساد بازاری بڑھتی ہے۔ چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے اور بازار سے خاص کر ضروریاتِ زندگی یک لخت غائب ہو جاتی ہیں۔ روزمرہ کے استعمال میں آنے والی چیزوں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں۔ ایسے حالات میں بے ایمانی، دھوکہ، فریب، رشوت اور لوٹ مار الیسی معاشرتی برائیاں سر اُٹھاتی ہیں کہ شریف اور معزز شہریوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے اور غریب عوام بھوک، افلاس اور ظلم کی چکی میں پسنے لگتے ہیں

ایسی صورتِ حال پر قابو پانے کی ہر مہذب حکومت کوشش کرتی ہے۔ عوام کو افلاس، غربت اور بھوک سے نجات دلانے کے لیے مناسب حال اقتصادی منصوبہ بندی کے متعلق غور و فکر کرتی ہے۔ مختلف اشیا کی قیمتیں مقرر کر دی جاتی ہیں، سپلائی کے لیے مناسب اقدامات کیے جاتے ہیں، ذخیرہ اندوزوں کو تنبیہ کی جاتی ہے، قحط سالی کے دنوں میں راشن بندی کو بہتر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اس سلسلے میں عموماً مفید نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ اکثر صورتوں میں حکومت کے مقرر کردہ نرخوں میں استحکام پیدا نہیں ہوتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جنگِ عظیم اوّل کے بعد برصغیر میں انگریزوں کو کئی دفعہ قیمتوں کی منصوبہ بندی کرنا پڑی لیکن انگریز تقریباً ہر دفعہ ناکام رہے اور قیامِ پاکستان کے بعد بھی ہمیں کئی دفعہ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ دیکھنے پڑے ہیں۔ قیمتوں میں استحکام پیدا کرنے میں ہم نے جتنی بھی کوششیں کی ہیں ان سے وہ

نتائج برآمد نہیں ہوئے جن کی ہمیں توقع تھی۔ آخر یہ ناکامی کیوں؟ یہ ایک بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے۔

یہ حیرانی اس وقت اور زیادہ ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آج سے تقریباً پونے سات سو سال پہلے علاؤالدین خلجی نے قیمتوں پر کنٹرول کر کے شاندار کامیابی حاصل کی تھی اور دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت مواصلات کا کوئی اچھا انتظام نہیں تھا۔ نہ ذرائع آمد و رفت اتنے اعلیٰ تھے۔ نہ آج کی طرح ماہرینِ اقتصادیات موجود تھے لیکن ان سب محرومیوں کے باوجود علاؤالدین اپنے اقتصادی نظام اور خاص کر قیمتوں کے کنٹرول میں کامیاب و کامران رہا۔

علاؤالدین خلجی (۱۲۹۶ - ۱۳۱۶ء) کا ایک عظیم حکمران تھا۔ اس کے زمانہ میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں۔ شمالی اور جنوبی ہندوستان میں جغرافیائی حدود ختم ہو گئیں۔ اسلامی افواج دکن کے دور دراز علاقوں تک پہنچیں اور میدانِ جنگ میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ ملک میں پہلی دفعہ وسیع تر اصلاحات کا جال بچھایا گیا۔ انتظامی، فوجی، زرعی اور اقتصادی شعبوں میں شاندار اصلاحات کی گئیں، جن کے مفید نتائج برآمد ہوئے اور ملک میں امن اور فارغ البالی کا دور دورہ شروع ہوا۔

"قیمتوں پر کنٹرول" علاؤالدین خلجی کی اقتصادی اصلاحات کا ایک نمایاں حصہ تھا۔ پیشتر اس کے کہ قیمتوں کی تفصیلات بیان کی جائیں اس سلسلے میں ان اسباب و محرکات کی نشاندہی ضروری معلوم ہوتی ہے جن کی بنا پر قیمتوں پر کنٹرول کیا گیا۔

اس سلسلے میں ہم عصر مؤرخ ضیاالدین برنی (۱۲۸۲ - ۱۳۵۸ء) مصنف تاریخ فیروز شاہی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ علاءالدین منگولوں کے سلطنتِ ہندوستان پر متواتر حملوں سے کافی پریشان تھا اور ان حملوں کو روکنے کے لیے وہ ایک عظیم فوج رکھنا چاہتا تھا اور بقول فرشتہ (مصنف گلشن ابراہیمی یا تاریخ فرشتہ) عظیم فوج رکھنے کے لیے کافی دولت کی ضرورت تھی اور جو دولت اس نے دیوگیر (۱۲۹۶ء) اور گجرات (۹۷ - ۱۲۹۹ء) وغیرہ کی فتوحات سے حاصل کی تھی وہ پانچ چھ سال سے زیادہ سپاہیوں کی تنخواہیں پوری نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے علاالدین نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے، جو بقول برنی عقل و فراست کے لحاظ سے اپنے زمانے کے بزرجمہر اور آصف تھے، مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ کم سے کم تنخواہ پر بڑی سے بڑی فوج رکھی